# اسرائیل کی آبادکاری کا پلان کیوں تیار کیا گیا؟ عرب دنیا کے امن کے قتل کا ذمہ دار امریکہ ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸ / فروری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

غالباً چھ ماہ پہلے یا کم وبیش اتنا عرصہ پہلے میں نے بغداد پر ہونے والے ہلاکو خاں کے حملے کا ذکر کیا تھا اور متنبہ کیا تھا کہ اسی قسم کی ہلاکت آفرینی کی تیاریاں کی جارہی ہیں، فیصلے ہو چکے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر صدر صدام نے احتیاط سے قدم نہ اٹھائے تو ایسی خوفناک ہلاکت خیزی کی جنگ اس پر ٹھونسی جائے گی کہ جس کے نتیجے میں ہلاکو خاں کی باتیں بھی خواب وخیال کی باتیں ہو جائیں گی۔

اس عرصے میں جو کچھ رونما ہوا ہے وہ اتنا ہولناک ہے اور اتنا دردناک ہے کہ اس کی جتنی خبریں اب تک دنیا کو مل چکی ہیں انہی کے نتیجہ میں تمام عالم اسلام کے دل خون ہو رہے ہیں لیکن جو خبریں اب تک ظاہر ہو چکی ہیں وہ ان خبروں کا کوئی 20 واں 100 واں حصہ بھی نہیں جو رفتہ رفتہ اس جنگ کے بعد ظاہر ہوں گی اور جن سے بعد میں پردے اٹھیں گے۔ میرے اندازے کے مطابق لکھوکھہا شہری اور فوجی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں اور بہت بڑی تباہی ہے سویلین آبادی کی جو ابھی تک کسی شمار میں نہیں لائی جاسکی لیکن اس کے علاوہ فوجیوں کے خلاف جس قسم کی کارروائی ہے وہ جنگ کی کیفیت نہیں بتاتی بلکہ اس طرح ہی ہے جیسے کسی ایک شخص کو باندھ کر رفتہ رفتہ اس کو

Dismember کیا جائے۔اس کے اعضاء کاٹے جائیں، پہلے ناخن نوچے جائیں، پھر انگلیاں کاٹی جائیں، پھر دانت نکالے جائیں، پھر ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور اس کے بعد کہا جائے کہ اے بہادرو! اور شیرو! اب اس شخص پر حملہ کر دو اور جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ٹنڈے ہاتھوں سے ایک چیپڑ بھی نہیں مار سکے گا اس وقت تک بہادروں کو اس پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ خلاصہ ہے میرے الفاظ میں اس موجودہ جنگ کا اور امریکی جرنیل جو اس وقت یہ جنگ لڑا رہے ہیں وہ عراق کے سکڈ میزائلز وغیرہ کے متعلق ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے اس قسم کے یہ حملے ایسے ہی ہیں جیسے ایک ہاتھی پر مچھر بیٹھ جائے اور عملاً یہ ایک ہاتھی ہی کی نمائندگی کرنے والی طاقتیں ہیں اور اس کے مقابل پر جس کو وہ نئے زمانے کا ہٹلر کہتے تھے اس کی حیثیت عملاً یہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے مقابل پر ایک مچھر سے زیادہ نہیں۔تو جب تک یہ ہاتھی اور مچھر کی لڑائی جاری ہے اس وقت تک جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس صدی کا مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ ہولناک اور خوفناک منصوبہ اپنے پائیہ تکمیل کو پہنچ چکا ہوگا اور اس کے بعد پھر یہ نئی صدی میں داخل ہونے کے منصوبے بنائیں گے۔

لیکن میرا کام جنگ کی خبروں پر تبصرہ کرنا نہیں اور جماعت احمدیہ کو مسلسل یہ بتانا مقصود نہیں کہ اب جنگ میں کیا ہوا اور کل کیا ہوا تھا اور آئندہ کیا ہوگا۔ **میرا مقصد یہ ہے کہ اس جنگ کا پس منظر آپ کے سامنے کھول کر رکھوں اور تاریخی پس منظر کی روشنی میں تمام دنیا کے احمدی اور ان کے ساتھ دوسرے مسلمان بھائی جن تک وہ آواز پہنچا سکتے ہیں۔اس صورت حال کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہو کیا رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے اور مغربی قوموں نے اس میں آج تک کیا کردار ادا کیا ہے اور آئندہ کیا کریں گی اور اقوام متحدہ نے یا اس سے پہلے لیگ آف نیشنز League of Nations نے کیا کردار ادا کیا تھا اور ان کے آپس میں کیا رابطے ہیں؟ اور یہود کے ساتھ ان کے کیا تعلقات ہیں؟ اور کیوں وہ تعلقات ہیں؟ اس میں مسلمانوں کی غلطیوں کا کہاں تک دخل ہے؟** اور اس سب تجزیے کے بعد میرا ارادہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق آپ کے سامنے وہ مشورے رکھوں گا جو الگ الگ قوموں کو مخاطب کر کے دوں گا یعنی میرے نزدیک اس سارے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد پھر وہ Solution یا حل خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔دراصل یہ مرض کی تشخیص ہے جو سب

سے اہم اور بنیادی چیز ہے۔ اگر تشخیص درست ہو تو علاج تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہتا۔ پس یہود کو بھی مشورہ دوں گا، عیسائی قوموں کو بھی مشورہ دوں گا، مسلمانوں کو بھی مشورہ دوں گا اور تمام بنی نوع انسان کو بھی مشورہ دوں گا کہ آئندہ ان کو دائمی امن کی تلاش کے لئے کس قسم کی منصفانہ کارروائیاں کرنی چاہئیں۔

بہر حال اب میں مختصراً آپ کے سامنے اس مسئلے کو جس کو فلسطین کا مسئلہ کہا جاتا ہے یا آج کل جسے ہم Gulf War کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا جو گہرا تاریخی پس منظر ہے اس کا مختصراً ذکر میں آپ کے سامنے کرتا ہوں۔ بالفور Balfour نے ۱۹۱۷ء میں جو یہود سے وعدہ کیا تھا اس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ ۱۹۲۲ء میں رونما ہوا جبکہ لیگ آف نیشنز (League of Nations) نے ایک مینڈیٹ (Mandate) کے ذریعے انگریزوں کو فلسطین کے علاقے کا نگران مقرر کیا اور اس مینڈیٹ میں یہ بات داخل کی کہ بالفور نے جو یہود سے وعدہ کیا تھا اسے پورا کروانا اس نگران حکومت کا کام ہوگا۔ اب دنیا کی تاریخ میں ایسا حیرت انگیز ناانصافی کا کوئی واقعہ اس سے پہلے کم ہوا ہوگا جو ناانصافی باقاعدہ قوموں کی ملی بھگت سے ہوتی ہے۔ لیگ آف نیشنز تو تمام دنیا کی نمائندہ تھی یعنی کہا یہ جاتا تھا کہ سب دنیا کی نمائندہ ہے اس کا یہ کام ہی نہیں تھا کہ انگریزوں کے کسی وزیر نے جو کسی یہودی لارڈ کو خط لکھا، راتھ چائلڈ Rothchaild یا راتھ شیلڈ (Rothchild) نام ہے۔ اس کا تلفظ مجھے یاد نہیں مگر وہ فرانس کا بہت بڑا بینکر Banker تھا۔ اس کو خط لکھا کہ ہماری کیبنٹ تم سے یہ وعدہ کرتی ہے، یہ سوچ رہی ہے۔ اس کو لیگ آف نیشنز کا حصہ بنالے اور لیگ آف نیشنز کو یہ اختیار کس نے دیا تھا کہ وہ دنیا کی قسمت بانٹتی پھرے اور جس قوم نے وہ وعدہ کیا تھا ان کے سپرد ہی اس علاقے کی نگرانی کر دی کہ اب جس طرح چاہو اس کو نافذ العمل کرو اس پر عمل کرواؤ۔ ساتھ ہی ایک لاکھ یہود کو باہر سے لاکر آباد کرنے کا مینڈیٹ Mandate بھی دیا چنانچہ اس پر عمل شروع ہوا اور ۱۷ رمئی ۱۹۳۹ء کو اگلی جنگ سے پہلے انگریزوں نے ایک وائٹ پیپر White Paper شائع کیا۔ اس وقت تک ایک لاکھ کی بجائے اس سے بہت زیادہ یہودی اس علاقے میں آباد ہو چکے تھے۔

۱۹۳۹ء کے وائٹ پیپر White Paper کی رو سے انگریزوں نے اپنی سابقہ پالیسی

میں ایک تبدیلی پیدا کر لی اور اس وقت چیمبر لین Chember Lane کی حکومت تھی۔

چیمبر لین نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اب جب کہ ہم دوسری جنگ کے کنارے پر کھڑے ہیں اگر ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ یہود کے خلاف فیصلہ کر کے ان کو دشمن بنائیں یا عربوں کے خلاف فیصلہ کر کے ان کو دشمن بنائیں تو میری رائے یہ ہے کہ ہمیں یہود کے خلاف فیصلہ کرنا چاہئے، عربوں کے خلاف نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جنگ عظیم ثانی سر پہ کھڑی تھی پہلا فیصلہ پہلی جنگ کے بعد کا ہے۔ دوسرا فیصلہ دوسری جنگ سے پہلے کا ہے اور یہ فیصلہ سیاست پر مبنی تھا حقیقت پر مبنی نہیں تھا۔

ہاں اس وائٹ پیپر (White Paper) میں باقاعدہ یہ اعلان کیا کہ انگریزی حکومت فلسطین میں یہودی حکومت قائم کرنے کے حق میں نہیں ہے اور ہم یہود کا یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ وہ فلسطین میں اپنی حکومت بنائیں۔ ساتھ ہی پچھتر ہزار (75,000) مزید یہودیوں کو باہر سے لا کر وہاں آباد کرنے کی اجازت دی گئی ایک لاکھ پر بات شروع ہوئی تھی جو 75,000 پر رکی۔

اس وقت اگر یہ دیانتدار تھے اپنے فیصلے میں تو لیگ آف نیشنز League Of Nations کو یہ مینڈیٹ واپس کر دینا چاہئے تھا کہ ہمارے فیصلے کے مطابق ۱۹۱۷ء والے فیصلے کے مطابق اگر تم نے ہمیں مختار بنایا ہے کہ اس فیصلے پر عملدرآمد کروائیں تو اب حکومت اس فیصلے کے خلاف ہے اس لئے خود بخود مینڈیٹ ختم ہو جانا چاہئے۔ لیکن اس کی بجائے ان کو مزید کوٹہ عطا کیا گیا اور 46ء میں یہ کوٹہ بڑھا کر ایک لاکھ کر دیا گیا۔ 1948ء میں جب یہ مینڈیٹ ختم ہوا تو یہود کی آبادی (85,000) پچاسی ہزار سے بڑھ کر، ہاں مینڈیٹ کے آغاز سے بھی پہلے یعنی 1919ء میں (مینڈیٹ تو 1922ء کا ہے۔) اس وقت کی آبادی 85 ہزار بیان کی جاتی تھی، اس میں بہت سے اختلافات ہیں بہت لمبی چھان بین کرنی پڑی لیکن غالباً پچاسی ہزار کی آبادی درست ہے۔ اور ۱۹۴۷ء تک جب یونائیٹڈ نیشنز United Nations نے مینڈیٹ کے ختم ہونے کے قریب آ کر یہ اعلان کیا کہ فلسطین کی پارٹیشن کر دی جائے، تقسیم کر دی جائے اور ایک یہودی سٹیٹ State قائم کر دی جائے اور ایک مسلمان عرب سٹیٹ قائم کر دی جائے۔ اس وقت تک یہ آبادی بڑھ کر سات لاکھ ہو چکی تھی اور بعض اعداد و شمار کے مطابق اس وقت عربوں کی کل آبادی بیس لاکھ تھی۔ پس نسبت ایک اور تین کی تھی۔ سات لاکھ ہونا نہیں چاہئے تھا اگر مینڈیٹس کو دیکھا جائے تو اتنی

آبادی ہو ہی نہیں سکتی۔ مزید تحقیق سے پتا چلا ہے کہ بہت بھاری تعداد میں یہود وہاں سمگل کئے جاتے تھے اور برٹش حکومت کی بعض موقعوں پر جائز کوششوں کے باوجود کہ یہ سلسلہ بند ہو، یہ سلسلہ جاری رہا اور جب بھی برٹش حکومت نے اس کو روکنے کی کوشش کی، ان کے خلاف بغاوت ہوئی اور انتقامی کارروائی یہود کی طرف سے کی گئی بہر حال نسبت سات اور بیس کی بیان کی جاتی ہے۔ جس پر یونائیٹڈ نیشنز یہ فیصلہ کرنے بیٹھی کہ تقسیم کے نتیجے میں کتنا علاقہ یہود کو دیا جائے اور کتنا مسلمانوں کو۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ 56% رقبہ فلسطین کا یہود کے سپرد کر دیا جائے باقی 44% میں سے جو علاقہ یروشلم کا ہے وہ بین الاقوامی نگرانی میں رہے کیونکہ مقامات مقدسہ ہیں جن کا تعلق یہود سے بھی ہے، عیسائیوں سے بھی ہے اور مسلمانوں سے بھی اور باقی جو بچا کھچا رقبہ تھا وہ عرب مسلمانوں کے سپرد نہیں کیا گیا۔ عرب مسلمانوں کو دینا تھا اس فیصلے میں یہ قطعی طور پر اعلان کیا گیا کہ دونوں علاقوں میں دونوں کی باقاعدہ حکومت قائم کروانے کے سلسلے میں برٹش گورنمنٹ یونائیٹڈ نیشنز سے تعاون کرے۔ اور ان کی قائم کردہ نمائندہ کمیٹی اس کام کو انگریزی حکومت کے تعاون سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ عملاً یہ ہوا کہ انگریزی حکومت نے تعاون کرنے سے کلیۃً انکار کر دیا جس کے نتیجے میں جہاں تک مسلمان تھے ان کو منظم کرنے والا کوئی نہیں تھا ان میں بے چینی تھی۔ افراتفری تھی اور کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جو باقاعدہ ان کی وہاں حکومت بنواتا اور جہاں تک یہود کا تعلق ہے یہاں دو قسم کے ادارے قائم ہوئے ایک تو میناخم بیگن (Menachem Begin) کی قیادت میں 48ء سے پہلے سے ہی بہت مضبوط Terrorist Organisation قائم کر دی گئی تھی جو انگریزوں کے خلاف بھی terror استعمال کر رہی تھی اور عربوں کے خلاف بھی Terror استعمال کر رہی تھی اور دوسرے ڈیوڈ بینگورین (David Ben Gurion) کی قیادت میں امریکہ سے کثرت سے اسلحہ یہود کو مہیا کیا جا رہا تھا اور یہاں تین چار قسم کی Organisations قائم کر دی گئی تھیں جو منظم طریق پر نہ صرف اپنے علاقے کا دفاع کریں اور یہاں حکومت قائم کریں بلکہ اور بھی کچھ علاقہ عربوں سے ہتھیا لیں۔ چنانچہ یہ جو 1948ء سے 1949ء تک کا ڈیڑھ سال کے قریب کا عرصہ ہے اس عرصے میں عربوں اور یہود کی جھڑپ ہوتی رہی، اس میں اردگرد کی عرب ریاستوں نے بھی حصہ لیا اور غیر رسمی جنگوں کا آغاز ہوا یعنی باقاعدہ حکومتوں کی طرف سے اسرائیل کے خلاف جنگ کا آغاز نہیں ہوا بلکہ وہ

عربوں کی مدد کرتے رہے ہیں۔لیکن اس کے بعد جب 1949ء میں سیز فائر ہوا ہے یعنی آپس میں Truce ہوئی اور صلح قائم کروائی گئی تو 56% سے بڑھ کر یہود کے قبضہ میں 75% علاقہ جا چکا تھا۔

یہ تو ہے یونائیٹڈ نیشنز کا کردار اور انگلستان کا کردار اور امریکہ کا کردار۔ یہ بہت بڑی تفصیلات ہیں جن کے سب حوالے میرے پاس ہیں لیکن میں اپنے خطبوں کو اسی بحث میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا اور الجھانا نہیں چاہتا۔خلاصہ یہی ہے کہ عالمی سازش کے نتیجے میں جس میں لیگ آف نیشنز نے اور یونائیٹڈ نیشنز نے بھرپور حصہ لیا اور سب سے اہم کردار انگلستان نے اور امریکہ نے ادا کیا یہود کی ایک ایسی ریاست فلسطین میں قائم کر دی گئی جو انصاف کی کسوٹی پر کسی پہلو سے بھی قائم نہیں کی جاسکتی تھی بین الاقوامی قوانین کی رو سے بین الاقوامی یونائیٹڈ نیشنز کی روایات اور چارٹر کے نتیجے میں اس کا پہلا قدم ہی نہیں اٹھایا جاسکتا تھا مگر اٹھایا گیا اور اس کے بعد پھر جنگوں کا آغاز شروع ہوتا ہے اس علاقے میں دو قسم کی جنگیں لڑی گئی ہیں۔یا دو قسم کی کارروائیاں کی گی ہیں۔

ایک مغربی مفادات کے تحفظ کی خاطر بین الاقوامی مفادات کے نام پر کارروائیاں کی گئیں۔کہا یہ گیا کہ یہ بین الاقوامی مفادات ہیں جن کی خاطر ہم یہ کرتے ہیں اور کھلم کھلا مغربی تحفظات تھے۔ان میں سب سے زیادہ اہم کردار انگلستان نے اور فرانس نے ادا کیا اور امریکہ ہمیشہ ان کے ساتھ شامل رہا۔ مفادات کی پہلی کارروائی ایران کے خلاف ہوئی ہے۔1950ء میں ایران کی پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے تیل کی دولت سے متعلق جو بیرونی دنیا کی لالچ اور دخل اندازی کے ارادے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک فیصلہ ہم یہ کرتے ہیں کہ ایران کے شمالی حصے کے تیل کے چشموں پر روس کے دخل کی پیشکش کو رد کر دیا جائے یعنی الفاظ پوری طرح شاید بات واضح نہیں کر سکے مراد یہ ہے کہ روس نے ایک پیش کش کی تھی کہ جس طرح (BRITISH IRANIAN OIL COMPANY) برٹش ایرانین آئل کمپنی کو تم نے اپنے جنوبی حصے میں تیل کے چشموں سے استفادے کی اجازت دی ہوئی ہے اور تمہارے ساتھ سمجھوتے کے ساتھ وہ تمہاری خاطر بظاہر تیل نکال رہے ہیں اور اپنے فائدے اٹھا رہے ہیں ہمیں بھی اجازت دو۔تو انہوں نے کہا روس کو شمالی حصے میں دخل کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دوسرا یہ فیصلہ کیا کہ برٹش ایرینین آئل کمپنی سے ہم اپنے معاہدے کو وقتاً فوقتاً زیر نظر لاتے رہیں گے اور آئندہ اس معاہدے پر نظر ثانی 1951ء میں ہوگی 50ء کے اس فیصلے پر امریکہ میں فتح

کے خوب شادیانے بجائے گئے اور امریکی حکومت نے اس کو بڑا سراہا کیونکہ اس کی نظر اس وقت روس کے خلاف فیصلے پر رہی لیکن 1951ء میں جب برٹش ایرینین آئل کمپنی کے ساتھ معاہدے پر نظر ثانی کا مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہو رہا تھا تو برٹش ایرینین آئل کمپنی کی اتنی بڑی طاقت تھی کہ امریکہ یا خود انگریزوں کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ہماری مرضی کے خلاف اس معاہدے میں جو ایرینین آئل کمپنی اور حکومت کے درمیان تھا کوئی ردوبدل کر دیا جائے گا۔ برٹش ایرینین آئل کمپنی کی طاقت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ جو یہ رقم ٹیکس کے طور پر ایرانی حکومت کو دیتے تھے وہ تمام ایرانی بجٹ کا نصف تھا اور جو رقم وہ برٹش ایرینین آئل کمپنی کے مالک ٹیکس کے طور پر انگریزوں کو دیتے تھے وہ اس سے بہت زیادہ رقم تھی اور جو منافع وہ خود رکھتے تھے وہ اس سے دس گنا زیادہ تھا یعنی کم از کم پانچ گنا ایران کی کل اجتماعی دولت یہ برٹش آئل کمپنی سالانہ کھا رہی تھی اس لئے یہ وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اس کے خلاف کچھ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب اسمبلی کے سامنے یہ بحث پیش ہونے لگی تو ایرانی وزیر اعظم کو انہوں نے خریدا ہوا تھا یا جس طرح بھی انہوں نے اس کو اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ایک رپورٹ پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ برٹش ایرینین آئل کمپنی کو قومیانے کا فیصلہ ایرانی مفاد کے سخت خلاف ہوگا اس پر ایک دم پارلیمنٹ میں اس کی مخالفت کا شور اٹھا اور دوسرے دن یا تھوڑی دیر کے بعد ہی اسے نماز پڑھتے ہوئے گولی مار دی گئی اور نئے وزیر اعظم کے طور پر ڈاکٹر مصدق کا انتخاب ہوا۔ ڈاکٹر مصدق چونکہ پوری طرح ایرانی مفادات کے وفادار تھے اس لئے اس وقت سے پھر جنگ کی گھنٹی بجادی گئی سب سے پہلے تو انگریزوں نے امریکہ سے رابطہ پیدا کیا اور اس سے بھی پہلے انہوں نے ماریشس میں مقیم اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعے جو فوج منتقل کر دی جاتی ہے Air Borne Division اس کو حکم دیا کہ وہ ایران پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن امریکہ نے سمجھایا کہ یہ طریق نہیں ہے اور طریق سے اس کو طے کریں گے۔ اس کے بعد امریکہ پر انہوں نے دباؤ ڈالا کہ ایک سازش تیار کی جائے جو برٹش ISI اور امریکہ CIA مل کر کریں جسے مخفی طور پر منظور کر لیا گیا اور انگلستان میں ISI کے نمائندہ مسٹر سن کلیئر Mr.Sun Clare جو انگریزوں کی طرف سے ISI کے سربراہ تھے اور C.I.A کے نمائندہ Kim Rosevelt ان کے درمیان ایک منصوبہ طے ہوا لیکن اس عرصے میں امریکہ نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے تمام دنیا میں ایرینین آئل کا

بائیکاٹ کرادیا چونکہ بجٹ کی کل آمد کا نصف آئل کمپنی سے ملا کرتا تھا۔ جب تیل کی فروخت بند ہوگئی تو بڑا شدید مالی بحران ایران میں پیدا ہوا۔ ڈاکٹر مصدق نے 52ء کے وسط میں امریکہ کے صدر سے درخواست کی کہ عارضی طور پر ہمیں مالی مدد دی جائے تا کہ ہم اس بحران پر قابو پالیں بعد میں معاملہ طے ہو جائے گا تو ہم آپ کو پیسے واپس کر دیں گے تو امریکی صدر نے اس کا جواب دیا کہ یہ بات امریکن ٹیکس فیئر Tax Fare کے مفادات کے مخالف ہے کہ ایران جب خود پیسے حاصل کر سکتا ہے تو ہم اپنے ٹیکس کے پیسے ان کی طرف منتقل کریں۔ آپ کے پاس سیدھی سادی راہ ہے برٹش ایرینین کمپنی کی بات مان جائیں اور ان سے پیسے لے لیں وہ تو پیسے دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس پر ڈاکٹر مصدق سمجھ گئے کہ ان کی نیتیں ٹھیک نہیں ہیں لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے جب امریکی صدر نے ڈاکٹر مصدق کو یہ جواب دیا ہے تو اس سے چار دن پہلے CIA اور ISI کی سکیم مکمل ہو کر امریکن حکومت کی توثیق حاصل کر چکی تھی اور پریذیڈنٹ نے اس پر دستخط کر دیئے تھے کہ ایران کے خلاف یہ کارروائی کی جائے۔ وہ کارروائی تو بہت لمبی چوڑی ہے لیکن خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ایرینین پولیس اور ایرینین فوج پر انہوں نے قبضہ کیا جوان کا طریق ہے فوجی انقلاب برپا کرنے کا اور مختلف اداروں کے سربراہوں کو خرید لینا یا جس طرح بھی ہو اپنے ساتھ ملا لینا چنانچہ اس کام کو Kim Rose Velt نے ادا کیا اور اسی کے بعد Kim Rose Velt کو امریکہ میں اتنا بڑا میڈل عطا کیا گیا ہے جو شاذ ہی کسی ہیرو کو اس طرح عطا کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ایران کے بادشاہ اور ایران کے وزیر اعظم کے درمیان آپس میں پہلے چپقلش ہوئی اور اختیارات کی کھینچا تانی ہوئی۔ ایران کے وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق خود افواج کے سربراہ بن گئے۔ ایران کے وزیر اعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ پولیس کا سربراہ بھی میں ہی مقرر کروں گا اور فوج کا کمانڈر انچیف تو خود بن گئے تھے جو چیف آف سٹاف کہنا چاہئے وہ بھی میں ہی مقرر کروں گا اور اس کی نشاندہی بھی انہوں نے کر دی لیکن پولیس کے ہونے والے سربراہ نے فخریہ طور پر یہ ذکر کیا کہ جتنے بھی برٹش ایجنٹس یہاں ایران میں موجود ہیں ان سب کی فہرست یہاں میرے پاس ہے۔ دل پر ہاتھ مار کے اس نے کہا اور دوسرے دن وہ قتل کر دیا گیا۔ اور جب ڈاکٹر مصدق کو شاہ آف ایران نے آخر ڈسمس کیا (جب یہ تیاری مکمل ہو چکی تھی تو اس کے بعد ان کو معزول کیا گیا) تو جو مظاہرے ان کے

حق میں ہوئے اس کے مقابل پر ایک با قاعدہ مقابل پر مظاہرہ کرنے والی فوج تیار کی گئی تھی عوام میں سے خرید کران کو مسلح بھی کیا گیا تھا غالباً چھ ہزاران کی تعداد تھی وہ چونکہ با قاعدہ مسلح تھے اور تربیت یافتہ تھے انہوں نے ان مظاہروں پر کسی حد تک قابو پایا لیکن وہ مظاہرے اتنے شدید تھے اور اتنے پھیل گئے کہ جیسا کہ ایسے موقع پر پہلے سے ہی پتا ہوتا ہے کہ فوج پھر دخل دے گی۔ دولاکھ فوج شاہ کی حمایت میں میدان میں کود گئی اور پہلے سے فیصلے کے مطابق شاہ آف ایران کو جو امریکی اور انگلستانی غلامی کی ایک کامل تصویر تھے ان کو ایران پر ہمیشہ کے لئے یا جب تک وہ بدانجام کو نہیں پہنچ گئے مسلط کر دیا گیا۔ ایک یہ کارروائی ہے جو ہمیں اس پس منظر میں پیش نظر رکھنی چاہئیے۔

دوسری کارروائی 1956ء میں ہوئی جب کہ Egypt کے صدر ناصر نے نہر سویز کو قومیانے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کا پس منظر یہ ہے کہ اسوان ڈیم کے سلسلہ میں امریکہ نے صدر ناصر سے کچھ وعدے کئے تھے کہ ہم اس کے پیسے مہیا کریں گے۔ صدر ناصر کے رجحانات چونکہ روس کی طرف تھے اور بار بار کے سمجھانے کے باوجود اسرائیل کے خلاف ان کے تشدد میں کمی نہیں آرہی تھی اس لئے ان کو سبق دینے کے لئے امریکی حکومت نے وہ وعدہ واپس لے لیا۔ اسوان ڈیم اس وقت تک مصر کی زندگی کے لئے سب سے اہم منصوبہ بن چکا تھا کیونکہ مصر کی اقتصادی زندگی اور زرعی پیداوار کے لئے اسوان ڈیم نے بہت ہی اہم کردار آئندہ ادا کرنا تھا اس کے بغیر مصر خوراک وغیرہ میں اور بہت سی دوسری اقتصادی چیزوں میں خود کفیل نہیں ہوسکتا تھا اور منصوبہ اس حد تک آگے بڑھ چکا تھا کہ اس وقت اس کا روکنا مصر قبول نہیں کرسکتا۔ تھا تو مصر نے اپنے Finance حاصل کرنے کے لئے یعنی اس کے اخراجات پورے کرنے کی خاطر نہر سویز کو قومیا لیا۔ نہر سویز پر اس وقت تک انگریزوں اور فرانس کا تسلط تھا کیونکہ اس کمپنی کے فیصلہ کن Shares ان کے پاس تھے۔ چنانچہ پھر انگلستان نے اس کے متعلق ایک منصوبہ بنایا تا کہ ناصر کو اور Egypt کو اس بات کی سزا دی جائے کہ وہ ہمارے مفادات پر حملہ کرے اور منصوبہ بڑا بھونڈا سا بچوں والا منصوبہ ہے لیکن تھا بہت خوفناک۔ اسرائیل کو آمادہ کیا گیا کہ وہ حملہ کرے Egypt پر اور نہر سویز تک پہنچ جائے اور چونکہ یہ اچانک بغیر اطلاع کے حملہ ہوگا اور Egypt کے پاس کوئی ایسی دفاعی فوج نہیں تھی کہ اس حملے کا مقابلہ کرسکتا اس لئے یہ آناً فاناً کامیاب ہونے والا حملہ تھا۔ اس کے بعد انگریز اور فرانسیسی دونوں اسرائیل کو

اور Egypt کو حکم دیں گے کہ دونوں اپنی اپنی فوجیں نہر سویز سے دور دور تک پیچھے ہٹالیں۔ امن کی خاطر ہم دخل دینے لگے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ آناً فاناً اسرائیل کی فوجیں نہر سویز کے کنارے تک پہنچ گئیں اور دوسرے ہی دن انگریزوں اور فرانسیسیوں کی طرف سے ایک حکم نامہ جاری ہوا کہ چونکہ تم دونوں قومیں وہاں لڑ رہی ہو اور عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو رہا ہے اس لئے ہم حکم دیتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی فوجیں نہر سویز سے اتنی اتنی دور ہٹالو۔ اسرائیل نے اس پر فوراً عمل شروع کر دیا جیسا کہ فیصلہ تھا۔ Egypt نے کہا کہ یہ ہمارا ملک ہے ہماری نہر ہے۔ ہم اپنے ملک سے کیوں فوجیں ہٹالیں۔ یہ کونسی منطق ہے۔ حملہ آور نے ہٹالیں بس کافی ہے۔ اس پر پھر ان دونوں قوموں نے مل کر حملہ کیا۔

یہ 56ء کا واقعہ ہے اور اس جنگ میں جو انگریزوں نے کردار ادا کیا ہے۔ اس پر Nutting جو اس وقت فارن سیکرٹری تھے انہوں نے ایک کتاب لکھی اس جنگ کے حالات پر۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جو طرز عمل انگلستان نے صدر ناصر کے خلاف اور Egypt کے خلاف اختیار کیا بعینہٖ وہی طرز عمل آج صدر بش صدر صدام اور عراق کے خلاف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جس طرح یہ کاربن کاپی ہے ان حالات کی جواب رونما ہو رہے ہیں۔ اسی طرح صدر ناصر کے خلاف کردار کشی کی بڑی خطرناک مہم چلائی گئی، اسی طرح یہ کہا گیا کہ ہم عالمی مفادات کے تحفظ کی خاطر عالمی مفادات کی نمائندگی میں یہ کارروائی کر رہے ہیں۔ جس طرح کی زبان صدر بش نے صدام کے متعلق استعمال کی ہے کہ میں تو وہ گندے الفاظ پورے استعمال بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ تھا کہ کک کر کے اس کو مار کے، پیچھے سے کک کر کے باہر نکالو۔ جو کتاب میں بیان کر رہا ہوں اس کا حوالہ میرے پاس ہے۔ مگر اس وقت سامنے نہیں ہے بہر حال اس میں وہ لکھتے ہیں کہ مقصد اس جنگ کا یہ تھا کہ To Kick Nasir out of his Perch یا ملتے جلتے الفاظ تھے کہ ناصر کو ٹھڈا مار کے جس طرح وہ پرندے شاخ پر بیٹھے ہوتے ہیں کسی جگہ پر اس کے بیٹھنے والی جگہ سے اُڑا کر باہر مارو۔ یہ جنگ کا اصل مقصد تھا، یہ فیصلہ تھا جو فیصلہ ہو چکا تھا۔ جس طرح اس وقت یہ کہا جا رہا ہے بعض مبصرین کی طرف سے کہ دراصل یہ جنگ جنرل بش کی انا کے کچلنے کے نتیجے میں پیدا ہو رہی ہے۔ اگر چہ یہ درست نہیں ہے۔ صدر بش کی انا کا دخل ضرور ہے مگر مقصد ہرگز یہ نہیں تھا لیکن اس زمانے میں Anthony Eden کے متعلق بھی ان کے اس وقت کے فارن سیکرٹری نے اپنی

کتاب میں لکھا کہ Anthony Eden کے متعلق یہ تاثر پیدا ہوتا تھا کہ اس نے یہ جنگ ناصر کو اس جرم کی سزا دینے کے لئے شروع کی ہے کہ Egypt کے ایک کرنیل کی مجال کیا ہے کہ دولت عظمیٰ برطانیہ کے وزیر اعظم کو Defy کرے اور اس کے مقابل پر اس طرح سربلندی کا مظاہرہ کرے۔ بالکل یہی تجزیہ آج بش کے متعلق بعض مبصرین کی طرف سے پیش کیا جارہا ہے۔ تو عملاً یہ ایک قسم کا 1956ء کی جنگ کا اعادہ ہے۔ تیل کے مفادات اب ہیں اس وقت سویز کے مفادات تھے اور یہودی شرکت کی بجائے اب امریکن شرکت ہے۔ پس اس جنگ میں دراصل وہی تین طاقتیں نمایاں ہیں جو پہلے تھیں۔ انگلستان، فرانس اور یہود لیکن فرق صرف یہ پڑا ہے کہ یہود کی نمائندگی امریکہ نے کی ہے اور وہ پس منظر میں رہا ہے اسے پس منظر میں رکھا گیا ہے۔

اب ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب مینڈیٹ اختتام کو پہنچا۔ یہ مینڈیٹ والا حصہ غالباً میں بیان کر چکا ہوں اس لئے اس کو اس حصے کے ساتھ ملا کر سمجھنے کی کوشش کریں۔ مینڈیٹ جب 48ء کو اختتام کو پہنچا تو انگریزوں نے جس طرح وہاں سے انخلاء کیا اس کی کوئی مثال اور دکھائی نہیں دیتی۔ جب انہوں نے ہندوستان کو چھوڑا ہے تو اس وقت باقاعدہ اس بات کی تسلی کر لی گئی تھی کہ باقاعدہ Demarkation Line ہو۔ وہ خطے جو دو ملکوں میں تبدیل ہونے والے ہیں ان کے درمیان واضح تقسیم ہو باقاعدہ حکومتیں قائم ہوں لیکن انگلستان نے اپنے چھوڑنے کے آخری دن تک ایسی کوئی کارروائی نہ خود کی، نہ یونائیٹڈ نیشنز کو کرنے دی اور ساڑھے گیارہ بجے ان کے جہاز سب کچھ پیک کر کے فلسطین سے رخصت ہونے کے لئے روانہ ہوئے اور مینڈیٹ کے عطا کردہ اختیارات کے نتیجے میں برٹش تسلط کی جو حدود تھیں وہ سمندر میں جہاں تھیں عین بارہ بجے وہاں پہنچ کر انہوں نے رخصت کا بگل بجایا اور اس ملک کو اس طرح چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ بھی ایک بہت ہی ظالمانہ کارروائی تھی۔ جس کا سب سے زیادہ نقصان فلسطینیوں کو پہنچا۔ بہرحال مفادات کی یہ دو جنگیں ہیں جو مفادات کے نام پر لڑی گئیں اور آج کی تیسری جنگ بھی مفادات کی جنگ ہے جس میں یہود بھی ایک کردار کے طور پر کھیل میں شامل ہیں اگر چہ یہود کو پس منظر میں رکھا گیا ہے اور امریکہ نے یہود کی نمائندگی لے لی ہے۔ دوسری قسم کی جنگیں مشرق وسطیٰ میں یہود کی توسیع پسندی کی جنگیں کہلا سکتی ہیں۔ 1948ء 1949ء میں جو توسیع پسندی کی لڑائیاں ہوئیں اس میں سارا الزام فلسطینیوں پر

عائد کیا جاتا ہے اور اردگرد کی مسلمان حکومتوں پر عائد کیا جاتا ہے کہ وہ حملے کرتی تھیں اس لئے یہود کو جوابی کارروائی کرنی پڑتی تھی اور مجبوراً اپنا علاقہ وسیع تر کرنا پڑا لیکن اس کے بعد 1956ء میں جو یہود نے جارحانہ جنگ لڑی ہے یا اسرائیل نے جارحانہ جنگ لڑی ہے اس کا کسی قسم کا کوئی جواز نہیں۔ وہ خالصۃً توسیع پسندی کی جنگ تھی اور انتہائی ہولناک جنگ تھی چند دن کے اندر اندر انہوں نے مصر اور شام اور اردن کی طاقتوں کو کچل کے رکھ دیا اور اپنے علاقے کو اتنا وسیع کر لیا کہ جو علاقہ ان کو مینڈیٹ نے عطا کیا تھا اس سے کئی گناہ زیادہ بڑھ چکا تھا۔ خلاصۃً میں آپ کے سامنے یہودی علاقے کی توسیع کا معاملہ رکھتا ہوں اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ کس حد تک یہود نے اپنے علاقے میں توسیع کی ہے اور کرتے چلے جارہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

1937ء کی غالباً بات ہے کہ انگریزوں نے 18ء کے بالفور ریزولیوشن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعداد و شمار میں پہلی دفعہ یہ بات کی کہ یہود کی حکومت کو کتنا علاقہ دینا چاہئے۔ چنانچہ اس فیصلے کی رو سے پانچ ہزار کلومیٹر کا علاقہ یہود کو دیا جانا چاہئے تھا 1947ء کے آخر میں جو فیصلہ یونائیٹڈ نیشنز نے کیا اس میں 5000 کی بجائے بیس ہزار کلومیٹر کا رقبہ ان کو دیا گیا تھا۔ کچھ رقبہ دو سال کے عرصہ میں بڑھ گیا جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور 1956ء کی جنگ کے آخر پر یہود کے قبضے میں اٹھاسی ہزار کلومیٹر کا رقبہ ہو چکا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ جو بات پانچ ہزار سے شروع ہوئی تھی کہاں تک پہنچی ہے۔ آخری جنگ جو اس علاقے میں موجودہ جنگ سے پہلے لڑی گئی وہ یوم کیبور کی جنگ کہلاتی ہے۔ یوم کیبور کی جنگ کو یہ مسلمانوں کی طرف سے عرب ممالک کی طرف سے جارحانہ جنگ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ 1967ء کی جنگ شاید میں 57 کی کہہ چکا ہوں اگر کہا ہے تو غلط ہے سڑسٹھ (Sixty Seven) کی جنگ جو چھپن کی جنگ کے گیارہ سال بعد لڑی گئی تھی۔ یہ یہود کی جارحانہ جنگ تھی جس کے نتیجے میں یہ سارا علاقہ ان کے قبضے میں آیا جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اٹھاسی ہزار کلومیٹر سے زیادہ رقبہ۔ اس کے بعد 1973ء میں یوم کیبور کی جنگ ہوئی یوم کیبور یہود کا ایک مقدس دن ہے۔ اس دن اچانک اسرائیل پر شام اور اردن کی طرف سے مشترکہ طور پر حملہ کیا گیا بیان کیا جاتا ہے کہ یہ جنگ خالصۃً عربوں کی جارحانہ جنگ تھی جس میں یہود بالکل بے قصور تھے یہ بات درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ 1967ء کی جنگ کے

بعد یونائیٹڈ نیشنز نے اور یونائیٹڈ نیشنز کی سیکیورٹی کونسل نے ایک ریزولیوشن پاس کیا جس کا نمبر ہے 242 اس ریزولیوشن کے نتیجے میں انہوں نے اسرائیل کی جارحانہ جنگ کی مذمت کرتے ہوئے متفقہ طور پر حکم دیا کہ اسرائیل اپنی فوجوں کو ان تمام علاقوں سے پیچھے ہٹالے جو اس جنگ کے نتیجے میں اس کے ہاتھ میں آئے ہیں اور ساتھ ہی یہ شوشہ بھی اس ریزولیوشن میں چھوڑ دیا گیا جس طرح British اور Western Diplomacy کا طریق ہے کہ جب اس فیصلے پر عملدآمد کا وقت ہو تو کچھ اور بحثیں ساتھ چھڑ جائیں اس میں شوشہ بھی ساتھ رکھا گیا کہ اس علاقے کی سب حکومتوں کا حق ہے کہ ان کے امن کا تحفظ ہو اور ان کی ایسی شکل ہو جغرافیائی طور پر کہ گویا ان کے امن کو خطرہ نہ پیش آئے۔ مطلب یہ تھا کہ اس بہانے جب بھی اس فیصلے پر عملدرآمد کا وقت آئے گا تو یہ کہا جائے گا کہ یہود کی بقا کا تقاضا ہے یا اسرائیل کی بقا کا تقاضا ہے کہ علاقے میں اتنا ردوبدل کرو اور ترمیم کرو مگر اس کے کسی پہلو پر بھی عملدرآمد نہیں ہوا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یونائیٹڈ نیشنز کے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے امریکہ اور اس کے تمام Alliese کو یہ حق حاصل ہے کہ عراق پر حملہ کر دیں تو جن کا اپنا علاقہ تھا (یہ کویت تو ان کا اپنا علاقہ نہیں تھا جس کی خاطر یہ حملہ کیا گیا ہے) جن قوموں کا اپنا علاقہ تھا وہ سالہا سال تک صبر کرتی رہیں، یونائیٹڈ نیشنز کے فیصلے پر کسی نے عملدرآمد نہیں کروایا۔ ان کا حق تھا کہ اس علاقے کو لینے کی خاطر وہ فوجی کارروائی کریں۔ پس اس کو جارحانہ کارروائی کہنا جارحیت ہے بڑا ظلم ہے یہ ایک مظلوم، کمزور قوم کی ایک کوشش تھی کہ یونائیٹڈ نیشنز (United Nations) کے فیصلے پر اگر کوئی اور عملدرآمد نہیں کرواتا تو ہم خود کوشش کر دیکھیں۔ پس یہ ہے وہاں کی جنگوں کی تاریخ اور اس میں یہ سب قومیں اب تک جو رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے۔

موجودہ جنگ میں جو باتیں کھل کر سامنے آئی ہیں ان کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں مگر آپ کی یادداشت میں وہ تازہ ہوں گی۔ خلاصہ ان سب باتوں کا یہ نکلتا ہے۔ (مقاصد کے متعلق میں بعد میں بات کروں گا لیکن خلاصہ اس کا یہ ہے کہ) اسرائیل کو اس تمام پس منظر کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قومیں یہ حق دیتی ہیں کہ وہ جب چاہے، جس ملک کے خلاف چاہے جارحانہ کارروائی کرے اور جارحانہ کاروائی کے نتیجے میں جو علاقے وہ ہتھیائے گا اس کے متعلق اگر یونائیٹڈ

نیشنز یا سیکیورٹی کونسل فیصلہ بھی کر دیں گی کہ ان علاقوں سے دستبردار ہو جائے تو اسرائیل کو حق حاصل ہے کہ دستبردار نہ ہو اور کسی دوسرے ملک کو یہ حق حاصل نہیں خواہ وہ مظلوم ملک ہو کہ یونائیٹڈ نیشنز کے اس فیصلے کی تعمیل میں اسرائیل سے وہ علاقہ چھیننے کی کوشش کرے۔ یہ تحفظ حاصل ہے۔ اس دوران ایک بات کا میں نے ذکر نہیں کیا کہ 1947ء سے لے کر 49ء تک اسرائیل نے جدید دور میں متشددانہ کارروائیاں یعنی Terrorist کارروائیوں کا آغاز کیا اور Menachem Begin اس کے موجود ہیں اور ان Terrorist کارروائیوں کے نتیجے میں ایک برٹش ڈپٹی گورنر تھے غالباً وہ بھی قتل کئے گئے۔

کنگ ڈیوڑ ہوٹل کو بارود سے اڑا دیا گیا جس کے نتیجے میں ایک سو سے زائد آدمی مرے اور بے شمار تباہی پھیلی۔ فلسطینیوں پر حملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں تین ہزار فلسطینی مرد عورتیں اور بچے ذبح کئے گئے اور بار بار انگریزی حکومت سے بھی تصادم کیا گیا وجہ یہ تھی کہ اس وقت لیبر Labour حکومت تھی اور لیبر حکومت کے مسٹر بیون (MR. Bavin) جو فارن سیکرٹری تھے وہ اس بات کے قائل تھے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور یہود زیادتی کر رہے ہیں چنانچہ انہوں نے ہر کوشش کی کہ یہود کا ناجائز داخلہ فلسطین میں بند کیا جائے۔ چنانچہ ایک جہاز جس میں چار ہزار سے زائد یہود مہاجرین خلاف قانون فلسطین میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے، مسٹر بیون کے حکم پر انگریزی فوج نے اس کا تعاقب کیا، اور اس جہاز کو پکڑا اور واپس جرمنی پہنچا دیا۔ اس پر تمام جرنلسٹ دنیا نے اتنا شدید احتجاج کیا اور بیون کو گالیاں دیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ ایک حکومت کے سپرد امانت کی گئی ہے کہ اس علاقے کو امانتاً اپنے پاس رکھو اور امانت کی شرائط میں یہ بات داخل کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ باہر سے یہود اس میں داخل نہیں ہوں گے اور اس پر عمل کروانے کے نتیجے میں جو ردعمل دکھایا جاتا ہے برٹش جرنلزم کی طرف سے وہ حیرت انگیز ہے۔

ایک صاحب جنہوں نے کتاب لکھی ہے "Making of Israel" (میکنگ آف اسرائیل) ان کا نام James Cameron کچھ ہے وہ یہ لکھتے ہیں کہ اتنا بھیانک ظلم! آپ سوچیں کہ ان چار ہزار یہودیوں کو جرمنی کی بدبخت اور ظالم زمین میں واپس کیا گیا ہے اور وہ بدبخت اور ظالم زمین میں 1947ء میں واپس کیا گیا ہے جنگ کے خاتمے کے تین سال بعد۔ اگر وہ ایسی ہی

ظالم اور بد بخت زمین اس وقت بھی تھی جب کہ ناٹسی Natsi شکست کھا چکے تھے اور جرمنی کا ملبہ بن چکا تھا جب ان پر انگریز اور امریکن اور فرانسیسی تسلط جما چکے تھے تو پھر اس کے بعد یہود کو وہاں رہنے کا کیا حق ہے۔

بہر حال اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے جرنلسٹ بھی ان کے ساتھ تھے اور جو ساری مغربی رائے عامہ تھی وہ یہود کا تحفظ کر رہی تھی تو Terrorism ٹیررازم کی ایجاد دراصل یہود سے ہوئی ہے۔ تو اس تاریخی پس منظر میں گویا کہ ایک حق یہود کا یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ یہود کو اجازت ہے کہ وہ Terrorist کارروائیاں کریں اور اس کا نام ہم یہودی ٹیررازم نہیں رکھیں گے لیکن مسلمان حکومتوں کو اپنے سیاسی مفادات کی خاطر کسی قسم کی Terrorist کارروائی کی اجازت نہیں۔ اگر کریں گے تو ہم صرف ان کو ہی نہیں بلکہ اسلام کو بدنام کریں گے اور کہیں گے اسلامک ٹیررازم (Islamic Terrorism) ہے۔

اور جو حقوق ان کے تسلیم کئے ہوئے نظر آتے ہیں وہ میں آپ کو پوائنٹس کے طور پر بتاتا ہوں۔ **سیکیورٹی کونسل کی قراردادوں کو رد کرنے کا حق ہے یہود کو اور یونائیٹڈ نیشنز کے تمام فیصلوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے اور اس طرح رد کرنے کا حق ہے جس طرح ایک پرزے کو پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اور کسی ملک کا حق نہیں ہے کہ یہود کی مذمت کرے اس بارے میں۔ یہود کو حق حاصل ہے کہ اپنی بقاء کے نام پر دوسرے ملکوں کے جغرافیے تبدیل کرے اور یہود کو حق ہے کہ وہ ایٹم بم بنائے اور ایٹم بموں کا ذخیرہ جمع کرے اور Mass Destruction کے ہتھیار مثلاً کیمیکل وارفیئر کے اور بیالوجیکل وارفیئر کے کیمیاوی ہلاکتوں کے اور جراثیم کی ہلاکتوں کے ہتھیار تیار کرے اور کسی کو حق نہیں کہ اسرائیل کو تنقید کا نشانہ بنائے لیکن کسی مسلمان ملک کو یہ حق حاصل نہیں۔ یہ خلاصہ ہے اس تاریخی جدوجہد کا جس کا ذکر میں نے آپ کے سامنے کیا ہے۔**

یہ بات قطعی ہے کہ اس پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے آج تک نہ آئندہ کی جائے گی۔ یہود کے یہ حقوق قائم رکھے جائیں گے اور مسلمانوں کی ان معاملات میں حق تلفی ایک مستقل پالیسی کا حصہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ اس کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ صدر بش کا نیو ورلڈ آرڈر New World Order کا خواب کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جب تک اس خواب کو نہ سمجھیں

ہم ان کو صحیح مشورہ بھی نہیں دے سکتے ۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے اس جارحانہ تاریخی پس منظر کے نتیجے میں بش کا امن کا خواب دراصل امن کا خواب نہیں بلکہ موت وارد کرنے کا خواب ہے بعض لوگ غلطی سے موت کو امن سمجھ لیتے ہیں۔ جس طرح میں نے وہ بیمار گھوڑے کی مثال کئی دفعہ بیان کی ہے۔

ایک گھوڑا بہت بیمار تھا جو بادشاہ کو بہت پیارا تھا بہت تڑپ رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ جو اس کی موت کی خبر مجھے پہنچائے گا اس کو میں قتل کروادوں گا۔ وہ خدا کی تقدیر چلنی تھی وہ بے چارہ مر گیا۔ ایک آدمی کو پکڑ کے بادشاہ کو خبر دینے کے لئے بھجوایا اس کو مجبور کیا کہ تم نہیں جاؤ گے تو ہم ماریں گے، بادشاہ کے ہاتھ سے مارا جانا زیادہ بہتر ہے۔ وہ سمجھدار آدمی تھا اس نے جا کر بادشاہ کو کہا کہ مبارک ہو آپ کا گھوڑا پوری طرح امن میں آ گیا ہے بادشاہ بہت خوش ہوا کہ اچھا بتاؤ کہ کس طرح امن میں آ گیا ہے اس نے کہا اس طرح کہ پہلے تو اس کی چھاتی کی گڑگڑاہٹ کی آواز میل میل تک سنائی دیتی تھی اب تو میں قریب بھی گیا ہوں تو کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کی دل کی دھڑکن سے لگتا تھا دھرتی دھڑک رہی ہے زمین دھڑک رہی ہے اب میں نے کان لگا کے دیکھا بالکل آواز ہی کوئی نہیں تھی۔ بڑے امن اور سکون سے لیٹا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ پھر یہ کیوں نہیں کہتے بد بخت! کہ مر گیا ہے۔ اس نے کہا حضور کہہ رہے ہیں میں تو نہیں کہہ سکتا۔

تو قصہ یہ ہے کہ جو امن کا خواب صدر بش مشرقی وسطی اور مسلمانوں کے ممالک کے لئے دیکھ رہے ہیں اس کی تعبیر موت ہے خواب خواہ امن کے نام پر ہو اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جہاں تک میں نے سوچا ہے وہ خواب یہ ہے کہ تیل کے امیر ملک سعودی عرب اور شیخ ڈم ریاستوں وغیرہ کو آمادہ کیا جائے گا کہ وہ بھیک کے طور پر اپنی تیل کی آمد کا ایک حصہ ان عرب ممالک میں تقسیم کریں جو تیل کی دولت سے محروم ہیں یا بہت تھوڑا تیل رکھتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں جس طرح امریکن ایڈز (American Aids) کے ذریعہ تیسری دنیا کے ملکوں کو غلام بنایا جاتا ہے عرب ملکوں کو بعض عرب ملکوں کا غلام بنا دیا جائے۔ اور اس کے نتیجے میں جو سٹرنگز (Strings) ایڈز (Aids) کے ساتھ وابستہ ہوا کرتی ہیں اسی قسم کی سٹرنگز اس مالی امداد کے ساتھ بھی لگا دی جائیں۔ امریکہ کی مالی امداد جسے American Aids کہا جاتا ہے ہمیشہ بعض سیاسی مصالح کی شرائط رکھتی ہیں جو امریکہ کے مفاد میں ہوتی ہیں اس ایڈ کے ساتھ بھی کچھ شرائط ہیں جو اسرائیل کے مفاد میں ہوں

گی اور مغرب کے عمومی مفاد میں۔ وہ شرائط یہ ہوں گی کہ یونائیٹڈ نیشنز میں جھگڑا نہیں لے کے جانا۔ بلکہ یونائیٹڈ نیشنز سے باہر امریکن سرپرستی میں یہود کے ساتھ معاملات طے کرو اور یہ ضمانت دو کہ آئندہ کبھی اس علاقے میں تم کسی قسم کی جنگ کی جرأت نہیں کرو گے۔ اس بات کی ضمانت دو کہ جہاں یہود ایٹمی اسلحہ بناتا رہے گا اور Mass Destruction کے دوسرے ہتھیار تیار کرتا رہے گا تم میں سے کبھی کوئی ایٹمی اسلحہ بنانے اور Mass Destruction کے ہتھیار بنانے کے خواب بھی نہیں دیکھے گا۔

یہ دو بنیادی نقوش ہیں اس امن کی خواب کے جو صدر بش نے دیکھی ہے اور آپ کل دیکھیں گے کہ اسی طرح ہوگا۔ اس خواب کے بعض اور حصے بھی ہیں۔ وہ ہوسکتا ہے پورے ہوں یا نہ ہوں۔ ایک حصہ یہود کو بعض اقدامات پر مجبور کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہود کو یہ کہیں گے، یہود کہنا غلط ہے یہود میں سے بعض بہت شریف النفس آج ایسے یہود بھی ہیں جو اسرائیل کے شدید مخالف ہیں اور ان کی پالیسیوں کو رد کرتے ہیں اور ان کو دنیا کے لئے ہی نہیں بلکہ خود یہود کے لئے بھی نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ پس جب میں لفظ یہود کہتا ہوں تو ہرگز مراد نہیں کہ یہود قوم کو بحیثیت مجموعی مردود کر رہا ہوں، میری مراد اسرائیل سے ہی ہوتی ہے۔ بہر حال اسرائیل پر وہ یہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں گے یعنی خیال ہے ان کا یہ گمان ہے، خواب ہے کہ وہ کلیۃً گولان ہائیٹ کا علاقہ خالی کر دے اور Jordin کے مغربی کنارے کا علاقہ خالی کر دے اس کے نتیجے میں وہ وہاں صلح کروالیں گے۔ یہ بات قطعی ہے کہ گولان ہائیٹ کا پورا علاقہ اسرائیل کسی قیمت پر خالی نہیں کرے گا اور یہ بات قطعی ہے میرے نزدیک کہ Jordin کے مغربی کنارے پر جو یہود کا تسلط ہے وہ اس کو ختم نہیں کرے گا لیکن اس کے باوجود ان کے تمام Allies یعنی تمام عرب مسلمان Allies ان کی کارروائیوں سے راضی ہوں گے اور جس سمجھوتے کا میں نے ذکر کیا ہے اس میں شامل ہو جائیں گے وجہ یہ ہے کہ مغربی اردن پر یہود کے تسلط کا نقصان صرف فلسطینیوں کو اور شرق اردن کو ہے اور فلسطینیوں اور شرق اردن کی خاطر امریکہ یہود کو ناراض کر لے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور دوسرا اس لئے کہ وہاں باہر سے مزید یہود لا کر آباد کروانے کا منصوبہ ایک بڑا دیرینہ منصوبہ ہے جس پر بہت حد تک عملدرآمد ہو چکا ہے اور مستقل یہودی آبادیاں قائم کر لی گئی ہیں اس لئے بھی اگر امریکہ چاہے تو بھی

اسرائیلی اس علاقے کو خالی کرنے پر آمادہ نہیں ہونگے۔

اور اب تک جو اسرائیل اور امریکہ کے تعلقات ظاہر ہوئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ صدر بش کی مجال نہیں ہے کہ اسرائیل کو ناراض کرنے کی جرأت کریں۔ جب اسرائیل پر سکڈز کا حملہ ہوا تو صدر بش نے بار بار اسرائیل کے پریذیڈنٹ کو فون کئے اور منت سماجت کی اور اپنے چوٹی کے صاحب اختیار نمائندے وہاں بھجوائے اس بات پر اسرائیل کو آمادہ کرنے کے لئے کہ فوری طور پر اپنا انتقام نہ لو اس واقعہ سے ان کے تعلقات کی نوعیت سب دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ چند سکڈز کے نتیجے میں دو بوڑھی عورتیں مری ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ دو تین سو سے زیادہ لوگ زخمی نہیں ہوئے اس کو نہایت ہی ہولناک، یک طرفہ جارحانہ کارروائی قرار دیا گیا جبکہ اس سے پہلے اسرائیل نے عراق کے ایٹمی توانائی کے پلانٹ کو بغیر کسی نوٹس کے اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعے بمبارڈ Bombard کر کے کلیۃً برباد کر دیا اور اس حملے کو کسی نے جارحانہ حملہ قرار نہیں دیا۔ گویا اسرائیل کو تو یہ حق ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تم جارحانہ کارروائی کرو اور دوسروں کے ملکوں میں جا کے بمباری کرو، نہ یونائیٹڈ نیشنز کو اعتراض کا اختیار ہے نہ کسی اور ملک کو اور جس پر بمباری کی جاتی ہے اس کو جوابی کارروائی کا بھی اختیار نہیں۔ پس اگر اور کچھ نہیں تو سکڈ میزائل کے حملے کو عراق کی جوابی کارروائی قرار دیا جا سکتا ہے اور دیا جانا چاہئے کیونکہ یہ بات بھی اب تسلیم کر لی گئی ہے کہ جوابی کارروائی کا فوراً ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اس مسئلے پر ذرا تھوڑا سا اور غور کریں تو اسرائیل اور امریکن تعلقات خوب کھل کر نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔

صدر بش نے بار بار فون پر رابطے کئے۔ منتیں کیں بڑے نرم لہجے میں درخواستیں کیں کہ کوئی فوری کارروائی اس کے ردعمل کے نتیجے میں نہ کرنا۔ بعد میں اپنے نمائندہ بھیجے جن کے ذریعے گفت وشنید ہوئی اور آخری نتیجہ یہ نکلا کہ اگر تم کوئی فوری کاروائی نہ کرو تو ہم تمہاری طرف سے زیادہ سے زیادہ انتقام لینے کی کوشش کریں گے اور جو سویلنز Civilians پر بمباریاں ہوئی ہیں اور لاکھوں معصوم شہید ہوئے ہیں اور جن کے گھر برباد کئے گئے، یہ دراصل اسرائیل کی انتقامی کارروائی Allieds نے اپنے ذمے قبول کی تھی اور اسی پر عملدرآمد ہوا ہے۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ اس کے علاوہ ہم تمہیں نو بلین ڈالر بطور اقتصادی مدد کے دیں گے آپ اندازہ کریں نو بلین ڈالر کی رقم تو ایک دولت کا پہاڑ ہے اور کس چیز کے بدلے اس چیز کے بدلے کہ وہ

انتقامی کارروائی سے باز آجائے؟ نہیں۔ بار بار اس کو یقین دلایا گیا ہے کہ یہ صرف وقتی طور پر انتقامی کارروائی ٹالنے کی خاطر کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد تمہیں حق حاصل ہے کہ جب چاہو، جس طرح چاہو، جس زمانے میں چاہو تم اس جارحیت کا بدلہ لو۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اسرائیل کا یہ حق تسلیم کیا جاچکا ہے کہ وہ جارحانہ کارروائیاں کرے اور کوئی ملک اس کے خلاف مدافعانہ کارروائی بھی نہ کرے اور اگر وہ مدافعانہ کارروائی کرے گا تو اس کے ساری دنیا کی طاقتیں جارحانہ کارروائی بھی کریں گی اور اسرائیل کا جارحانہ کارروائی کا حق باقی رہے گا اور وہ کب اور کس طرح پورا ہوتا ہے یہ ابھی دیکھنے والی بات ہے۔

تو یہ ہے نیو ورلڈ آرڈر (New World Order) جس کا خواب صدر بش نے دیکھا ہے اور جس کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے امن کی ضمانت ہو جائے گی۔ اس خواب کے کچھ اور حصے بھی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ اسرائیل تو کسی قیمت پر بھی مغربی علاقہ خالی نہیں کرے گا لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ مشرقی علاقے پر قبضہ کرنے کی داغ بیل ڈالی جاچکی ہے۔ مجبوری کے تحت شاہ حسین ہیں جو نیوٹرل رہے اور انہوں نے صرف یہ قصور کیا ہے کہ دو تین دن پہلے اپنی پریس کانفرنس میں یا تقریر میں اس بات پر سخت اظہار افسوس کیا ہے کہ اتحادیوں نے معصوم عراقی شہریوں کو تباہ و برباد کیا اور بڑا بھاری ظلم کیا۔ ان کا یہ تبصرہ خود مغربی اتحادیوں کے اعلانات کے نتیجے میں ہے جو انہوں نے فوجی حالات کے متعلق خود خبر نامے جاری کئے ہیں ان سے یہ تصویر قائم ہوتی ہے یعنی اگر ہر ایک منٹ پر ایک جہاز بمباری کرنے کیلئے اٹھ رہا ہو اور یہ تسلیم کرتے ہوں کہ عراق میں اتنی بمباری کی جاچکی ہے جو آج تک دنیا کی تاریخ میں کسی جنگ میں اس طرح نہیں کی گئی اور ویت نام اس کے مقابل پر کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد یہ کسی ملک کا نتیجہ نکالنا کہ لاکھوں Civilions یعنی شہری اس سے متاثر ہوئے ہونگے یہ صدر بش کے نزدیک امریکہ کی بھی ہتک ہے اور اسرائیل کی بھی گستاخی ہے اور وہ ان کو متنبہ کرتے ہیں شاہ حسین کو کہ خبردار منہ سنبھال کر بات کرو۔ تمہیں پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں کس نے حق دیا ہے اس قسم کی تنقید کرنے کا؟ خواب کے مندرز پہلو بھی تو ہوتے ہیں۔ کچھ تو انہوں نے امن کے خواب کی تعبیر موت دیکھی ہوئی ہے۔ کچھ خواب کے اندازی پہلو بھی ہیں اور انذاری پہلو میں میرے نزدیک یہ بات داخل ہے کہ شرق اردن

کے اوپر حملے کا بہانہ بنایا جائے گا اور یہودی حکومت کو دریا کے اس کنارے پر ہی نہیں دوسرے کنارے کی طرف بھی ممتد کر دیا جائے گا۔

یہ جو میرا اندازہ ہے اس کے پیچھے بہت سے تاریخی رجحانات ہیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں شروع دن سے آج تک یہودی مسلسل وسعت پذیر ہیں یعنی توسیع پسندی کی پالیسی محض تعداد بڑھانے کے لحاظ سے نہیں بلکہ رقبہ بڑھانے کے لحاظ سے بھی ہے اور جو آغاز میں یہود نے اسرائیل کا خواب دیکھا تھا وہ خواب یہ تھا کہ تمام دنیا کے مظلوم علاقوں سے یہود کو اکٹھا کر کے یہود کی ایک آزاد مملکت میں جمع کر دیا جائے۔ اس وقت آبادی کی نسبت یہ ہے کہ یعنی تفصیل تو میں نہیں بتاؤں گا دو تین ملکوں کی آبادی بتاتا ہوں۔

اسرائیل میں اس وقت یہودی پچیس لاکھ ہیں اس کے علاوہ امریکہ میں پچاس لاکھ یہودی ہے اور روس میں پچیس لاکھ بیان کئے جاتے ہیں اس وقت روسی یہودیوں کو بلا کر اسرائیل میں آباد کرنے کا پروگرام شروع ہے جس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے تک پچیس لاکھ مزید یہودی یعنی موجودہ تعداد سے دگنے اس ملک میں آباد کئے جائیں گے۔ اس کے لئے زمین بھی پھر اور چاہئے۔ یہ ظاہری اور طبعی بات ہے تو جتنی زمین اس وقت ان کے پاس ہے اس سے کافی تعداد میں زیادہ زمین ہو تب جا کر یہ خواب پورا ہو سکتا ہے۔ پھر امریکہ کے یہودیوں کے انتقال کا پروگرام بھی ساتھ ساتھ جاری ہے اور یورپ کے دوسرے یہودیوں کے انتقال کا پروگرام بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ **اس ضمن میں بعض باتیں میں آئندہ خطبے میں آپ کے سامنے رکھوں گا مگر مختصراً یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسرائیل کے قیام کے مقاصد کی اولین وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ مغربی ملکوں میں یہود محفوظ نہیں ہیں اور انہوں نے ہمیشہ یہود کو یک طرفہ ظلم کا نشانہ بنائے رکھا ہے۔** اگر یہی مقصد تھا اسرائیل کے قیام کا تو جتنے مغربی ممالک میں یہود ہیں جن تک ان کے لئے فلسطین کے گرد و پیش جگہ نہ بنالی جائے اس وقت تک یہ خواب پورا نہیں ہوتا۔ اور موجودہ رجحان یہی بتا رہا ہے کہ اس طرح یہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ تو صدر بش کے خواب میں غالباً انذاری پہلو یہ بھی داخل ہے کہ شرق اردن کے دوسرے حصے پر بھی قبضہ کر لیا جائے اور بعد میں یہ خواب کس طرح آگے بڑھے گا اور دنیا کو کس حد تک اپنی لپیٹ میں لے گا وہ لمبی باتیں ہیں **مختصراً میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد باریوں کی بات ہے۔**

**جب تک مسلمان طاقتیں ایک کے بعد دوسری تباہ و برباد نہ ہو جائیں اس وقت تک صدر بش کے امن کا یہ خواب پورا نہیں ہوسکتا۔** پس اس کے بعد کس کی باری ہے یہ نہیں میں کہہ سکتا۔ پاکستان کی ہے یا شام کی ہے۔ پاکستان بھی نیوکلیئر طاقت بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ بن چکا ہے یا نہیں۔ یہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے لیکن پاکستان کو تباہ کروانے کے لئے کئی ذرائع موجود ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ ہے سکھوں کا مسئلہ ہے۔ ہندوستان کو انگیخت کیا جا سکتا ہے۔ چھٹی دی جا سکتی ہے دفاعی امداد اور اقتصادی امداد روک کر اس طرح بے کار اور نہتہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی طاقت کے جواب کی پاکستان میں طاقت نہ رہے۔ کئی قسم کے منصوبے ہو سکتے ہیں لیکن خطرہ ضرور ہے شام کو لازماً خطرہ ہے کیونکہ شام ایک بہت بڑی طاقت بنا ہوا ہے۔ اور شام کی بڑی سخت بے وقوفی اور غلطی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس وقت اتحادیوں کے ساتھ شامل ہونے کے نتیجے میں آئندہ شام محفوظ ہو چکا ہے جب تک اسرائیل موجود ہے شام محفوظ نہیں ہے۔

اور پھر ایران کو خطرہ ہے اور پھر ترکی Turky کو خطرہ ہے اور ایران اور Turky کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ خواب اس طرح پورا کیا جائے گا کہ ترکی اور ایران کے درمیان آپس میں مخاصمت جو پہلے بھی ہے بڑھائی جائے گی اور اس کے نتیجہ میں کسی وقت آئندہ ان دونوں مسلمان ملکوں کے درمیان اسی طرح لڑائی کروائی جائے گی جس طرح خود امریکنوں نے اور اتحادیوں کی مخفی تائید کے نتیجے میں میں سمجھتا ہوں کہ عراق کو انگیخت کیا گیا تھا کہ وہ ایران پر حملہ کرے اور امریکہ کے اتحادی عرب ممالک نے اس کی ہر طرح مدد کی اور امریکہ کے اتحادی مغربی ممالک نے عراق کو مسلح کرنے میں اور اس کے Mass Destruction کے ہتھیار بنانے کے سلسلہ میں پوری مدد کی۔ تو خواب کا جو پس منظر ہے وہ یہ ہے کہ خواب جس سمت میں آگے بڑھے گی اور پھیلے گی وہ سمت بھی اس پس منظر کے نتیجے میں ہمیں دکھائی دینے لگی ہے اور خواب آخر پر اس طرح پوری ہوگی کہ پہلے جس طرح ایک مسلمان طاقت کو دوسری مسلمان طاقت کو برباد کرنے کے لئے استعمال کیا گیا اور طاقتور بنایا گیا پھر اس بنائی ہوئی طاقت کو برباد کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اور دوسرے مسلمان ممالک کو اس میں شامل کیا گیا۔ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا؟ اسی طرح جو بچی کھچی مسلمان حکومتیں ہیں ان کو یکے بعد دیگرے برباد کیا جائے گا۔ یہ وہ موت کا خواب ہے جو صدر بش نے دیکھا ہے اور جسے وہ Peace کا خواب کہتے ہیں۔

عراقیوں اور دیگر فلسطینیوں وغیرہ مسلمان مظلوموں یعنی عرب مسلمانوں کے خون سے جس طرح یہ ہاتھ رنگے جا چکے ہیں اس پر مجھے میک بیتھ (Mecbetth) کی چند لائنیں یاد آ گئیں۔ لیڈی میکبیتھ (Lady Mecbetth) جس نے اپنے خاوند کو بادشاہ کو قتل کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اس کے خاوند میک بیتھ نے بادشاہ کو جو غالباً سکاٹ لینڈ کا تھا بہر حال اس وقت کے بادشاہ کو قتل کیا اور سوتے کی حالت میں قتل کیا۔ اس کے بعد لیڈی میک بیتھ کو نفسیاتی ردعمل ہوا اور وہ سمجھتی تھی کہ اصل قاتل میں ہوں تو نفسیاتی بیماری کے نتیجے میں وہ ہر وقت ہاتھ دھوتی رہتی تھی کہ میرے ہاتھ سے خون کی بو آ رہی ہے اس بو کے سلسلے میں وہ کہتی ہے:۔

"Here is the smell of the blood still"

میں اتنی دفعہ ہاتھ دھو چکی ہوں اور خون کی بو جاتی ہی نہیں ہے۔ ابھی بھی آ رہی ہے۔

"All the perfumes of the arabia will not sweeten this little hand"

عرب کی تمام خوشبوئیں مل کر بھی میرے اس چھوٹے سے ہاتھ کی بو کو مٹھاس میں تبدیل نہیں کر سکیں گی۔ یہ کڑوی خون کی بو آتی ہی رہے گی۔

صدر بش کا معاملہ اس سے کچھ برعکس ہے مسلمان عرب خون سے جوان کے ہاتھ رنگے گئے ہیں **میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی کڑوی بو کبھی امریکہ اور اس کے ساتھیوں کا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور تمام دنیا کی پرفیومز** (Perfumes) **بھی عرب خون کی اس بو کو مٹا نہیں سکیں گی اور اس کی کڑوی بو کو مٹھاس میں تبدیل نہیں کر سکیں گی۔** جہاں تک ان کی پیس کی خواب کا تعلق ہے وہ بھی میں میک بیتھ ہی سے میک بیتھ کی ایک سولیلوکی Soliloquy یعنی وہ اونچی زبان میں اپنے دل کی حالت بیان کر رہا ہے اس کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں جو ان کی صورتحال پر صادق آتی ہے یہ Soliloquy۔ وہ سونے کی کوشش کرتا ہے اور نیند اڑ گئی ہے اس کے ضمیر پر ایک سوئے ہوئے بادشاہ کے قتل کا بوجھ اتنا زیادہ ہے اور اس کا ضمیر اس قدر بے چین ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا چنانچہ اس کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:۔

"Me thought i heard a voice cry sleep no more Mecbetth

Does murther sleep"

"سکاٹش زبان میں Murder کو Murther لکھا جاتا تھا تو یہاں لفظ MURTHER ہے یعنی MURDER۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے Me Thought میں سمجھتا ہوں۔میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے لگتا ہے۔مجھے گمان گزرتا ہے۔I heard a voice Cry sleep no more کہ میں نے ایک چیخ سنی ہے جو یہ کہہ رہی تھی کہ اب کبھی نہیں سونا، اب کبھی نہیں سونا۔Mecbetth does murther sleep دیکھو میک بیتھ نے نیند کو قتل کر دیا ہے چونکہ بادشاہ سویا ہوا تھا اس لئے اس حالت میں اس کو مارنا اس کے نفسیاتی دباؤ کے تابع اس سے بہتر رنگ میں ظاہر نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ سوچ رہا ہے کہ میں نے نیند کو مار دیا ہے۔جب نیند کو مار دیا ہے تو پھر مجھے نیند کہاں سے آئے گی۔تو ایک لفظ کی تبدیلی سے امریکہ اور صدر بش کے خواب پر ان سطور کا اطلاق ہوسکتا ہے۔میں یہ کہتا ہوں کہ۔

"Me thought i heard a voice cry peace no more U.S Does murther peace" مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک چلانے والے کی آواز یہ سنائی دے رہی ہے کہ اب اس خطے میں یا دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکے گا اگر یہ خواب پوری ہوگئی اس شرط کے ساتھ میں کہہ رہا ہوں تو میں یہ آواز سن رہا ہوں کہ اس خطے میں اب کبھی امن قائم نہیں ہو سکے گا یونائیٹڈ سٹیٹس نے امن کو ہمیشہ کیلئے قتل کر دیا ہے۔اس کے نتیجے میں کیا ہوسکتا ہے ہم کیا کر سکتے ہیں ان قوموں کو کیا مشورے دیئے جاسکتے ہیں کہ یہ ہلاکت کے قدم جو آگے بڑھا چکے ہیں ان کو کس طرح واپس کر لیں اس سلسلے میں انشاء اللہ میں آئندہ خطبے میں آپ سے مخاطب ہوں گا۔میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اس مضمون کو ختم کروں اور واپس اپنے اصلی اور حقیقی اور دائمی مضمون کی طرف آجاؤں یعنی احمدیوں کو عبادتیں کس طرح کرنی چاہئیں اور عبادتوں میں کس طرح لذت پیدا کرنی چاہئے۔